جلد ۱۴ وفا ۱۳۵۲ ھش شمارہ ۷

جولائی ۱۹۷۳ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت آٹھ روپے
دیگر ممالک ایک پونڈ

فی پرچہ پچھتر پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

وفا ۱۳۵۲ ھش

جمادی الثانی ۱۳۹۳ ہجری جولائی ۱۹۷۳ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

قیمت سالانہ
آٹھ روپے

فی پرچہ
بچھتر پیسے

فہرست مضامین

پبلشر . . . . . . چوہدری محمد ابراہیم

مطبع . . . . . . ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت . . . . دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جلد ۱۴ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۷

وفا ۱۳۵۲ ہش

تائید و نصرتِ الٰہی اور حفاظتِ خاص کا مشروط وعدہ

مومنوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اخلاص و وفا کے تعلق کو ہمیشہ استوار رکھیں

اللہ تعالیٰ جب دنیا میں روحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے اپنے ایک مامور کے ذریعہ دنیا میں متقی اور پاکباز انسانوں کی جماعت قائم کرتا ہے تو وہ اپنے اس مامور اور اس کی قائم کردہ جماعت کو اپنی تائید و نصرت اور اپنی خاص حفاظت سے ضرور نوازتا ہے۔ یہ اس الٰہی تائید و نصرت اور حفاظت خاص ہی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مٹھی بھر انسانوں کی وہ کمزور اور بے بضاعت جماعت دشمنوں کے انتہائی خطرناک منصوبوں سے محفوظ رہتے ہوئے دنیا میں ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ مخالفینِ حق کی کثرت تعداد اور کثرتِ مال و زر اور ان کی ظاہری طاقت ان بے زر اور بے زور پرستارانِ حق کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ وہ مخالفتوں کے طوفانوں میں سے بخیریت گزرتے ہوئے غلبۂ حق کی منزل کی طرف پوری پامردی کے ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس امر کا مختلف اسالیب میں ذکر فرمایا ہے کہ الٰہی جماعتوں کی ترقی کا راز الٰہی تائید و نصرت اور اس حفاظت میں مضمر ہوتا ہے جو علی الخصوص معرکۂ حق و باطل میں قدم قدم پر ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ مومنوں کو عطا کی جانے والی تائید و نصرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ

(المومن آیت ۵۲)

ہم اپنے رسولوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی اِس دنیا میں بھی ضرور مدد کریں گے اور اس دن بھی جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو یقین دلایا ہے کہ دشمنانِ حق کی ایذا رسانیوں کے برخلاف انہیں اس کی خاص حفاظت حاصل رہے گی اور وہ انہیں کوئی گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن مومنوں کو الٰہی تائید و نصرت اور اس کی خاص حفاظت اُس وقت تک ہی حاصل رہتی ہے جب تک کہ وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہدوں پر قائم رہتے ہیں برخلاف اس کے جب وہ اپنے عہدوں سے پھر جاتے ہیں اور باطنی طور پر خود ان کی حالت میں تبدیلی آجاتی ہے تو پھر خدا تعالےٰ بھی انہیں تائید و نصرت اور حفاظت خاص سے محروم کر دیتا ہے۔ اس امر کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں حفاظت کے خدائی وعدہ اور اس کی شرائط پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ اِس امر کو بیان کرتے ہوئے کہ ہم جسے مامور کر کے دنیا میں مبعوث کرتے ہیں ہم آسمان سے فرشتے نازل کر کے اس کی اور اس پر ایمان لانے والوں کی حفاظت کرتے ہیں فرماتا ہے:۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ ۗ
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ
اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ۝

(الرعد آیت ۱۲)

خدا کی طرف سے اس (رسول) کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی (ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ سلسلہ وار آنے والی (ملائکہ کی ایک جماعت حفاظت کے لئے) مقرر ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ اللہ کبھی بھی کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی اندرونی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کے متعلق عذاب کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس (عذاب) کو ہٹانے والا کوئی نہیں ہوتا اور اس کے سوا ان کا اور کوئی بھی مددگار نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ اس آیت کے شروع میں یہی بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

لگے ہوئے آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پوری مستعدی کے ساتھ آپ کی حفاظت کر رہی ہے۔ تاہم اس خدائی حفاظت میں آپ کے ساتھ آپ کے صحابہؓ کی جماعت بھی شامل تھی۔ کیونکہ ماموربن اللہ اور اس کی جماعت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے وہ دونوں ایک ہی وجود کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بھی آپ کے طفیل اللہ تعالیٰ کی حفاظتِ خاص حاصل تھی اور آپؐ کی پیروی اور اتباع کی برکت سے وہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی حفاظت اور اپنی امان میں لیا ہوا تھا۔ چنانچہ آیت کے اگلے حصہ سے ان معنوں کی از خود تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہاں صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا نہیں بلکہ آپؐ کی قائم کردہ جماعت کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی قوم کے ساتھ اپنے مشفقانہ و کریمانہ سلوک کو نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود باطنی طور پر بدل کر اپنے آپ کو اس مشفقانہ و کریمانہ سلوک کا نااہل ثابت نہ کر دے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی جماعت بھی (جو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی مصداق تھی) خدائی حفاظت کے وعدہ میں شریک تھی اور یہ حفاظت اسے آپؐ کے طفیل حاصل ہوئی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ نے اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو یہ باور کرایا تھا کہ جب تک وہ اور ان کی نسلیں خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ صدق و صفا اور اخلاص و وفا کے تعلق کو استوار رکھیں گی اور اپنی باطنی حالت میں فرق نہیں آنے دیں گی اس وقت تک انہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی حفاظتِ خاص حاصل رہے گی جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی سنت کے برخلاف ہے کہ کوئی قوم صدق و صفا اور اخلاص و وفا کے عہد پر قائم ہو اور خدا تعالیٰ اسے بلا وجہ اپنے انعام و اکرام کا مورد بنانا ترک کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک اور جگہ اپنی اس سنت کا قریباً انہیں الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون کی قوم اور اس سے پہلے کی قوموں کی نافرمانیوں اور ان پر آنے والے عذابوں کا ذکر کرنے اور آئندہ کے لئے ان کے طرزِ عمل سے خبردار رہنے کی تلقین کرنے کے بعد فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (الانفال آیت ۵۴)

یہ (اس لئے ہے) کہ اللہ جب کسی قوم پر کوئی نعمت نازل کرتا ہے تو اس نعمت کو بدلتا نہیں جب تک کہ وہ قوم اپنے دل کی حالت کو نہ بدل دے۔ اور اللہ یقیناً بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اِس سے ثابت ہے کہ خدائی جماعت یعنی وہ جماعت جسے خدا تعالےٰ اپنے ایک مامور کے ذریعہ قائم کرتا ہے براہِ راست خدا تعالےٰ کی حفاظت میں ہوتی ہے اور یہ حفاظت اُس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ اس جماعت کے افراد اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے اخلاص و وفا خدمت و فدائیت اور قربانی و ایثار میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ اگر آگے چل کر ان میں کمزوری آ جائے اور وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں اور ان کی باطنی حالت وہ نہ رہے جو پہلے تھی تو پھر خدا تعالےٰ اپنی حفاظت اٹھا لیتا ہے۔ اور وہ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ اِس لحاظ سے خدائی جماعت کے افراد کا یہ اوّلین فرض ہوتا ہے کہ وہ اخلاص و وفا، خدمت و فدائیت اور قربانی و ایثار کے عہد پر قائم رہیں اور نسلاً بعد نسلٍ اپنی باطنی حالت میں سرِ مو فرق نہ آنے دیں تاکہ وہ انعاماتِ الٰہیہ اور اُس کی حفاظتِ خاص کے مورد بنے رہیں۔

جماعتِ احمدیہ ایک الٰہی جماعت ہے جسے خدا تعالےٰ نے اپنے ایک عظیم الشان مامور کے ذریعہ قائم فرمایا ہے کہ تا یہ جماعت اپنے پاک نمونے اور قربانیوں کے ذریعہ اسلام کو ساری دنیا میں غالب کرے۔ اِس جماعت کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل خدا تعالےٰ کی حفاظتِ خاص حاصل ہے کیونکہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ کی آیاتِ قرآنی آپ کو بھی الہام ہوئی ہیں۔ حفاظت کے اس وعدہ میں آپ کے ساتھ آپ کی جماعت بھی شامل ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفت کی آندھیاں اور طوفان اٹھتے ہیں، مخالفین اِس جماعت کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبے بناتے اور تدبیریں کرتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ ان تمام آندھیوں اور طوفانوں کو تھما کر اور ان تمام منصوبوں اور تدابیر کو خاک میں ملا کر دنیا پر آشکار کر دکھاتا ہے کہ یہ جماعت ہماری حفاظت میں ہے اور مَیں اور میرے مقرر کردہ فرشتے اس کے محافظ ہیں۔ کون ہے جو اسے گزند پہنچا سکے اور اسے مٹانے کے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو سکے۔

چونکہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل اور اللہ تعالےٰ کے رفیع الشان مامور ہونے کی حیثیت میں اللہ تعالےٰ کی خاص حفاظت میں تھے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو آپ کے متبعین کے لئے ظاہری اور باطنی ہر دو نوع کی حفاظت کا ذریعہ بنایا تھا اس لئے آپ نے ایک دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اِس زمانہ کا حصنِ حصین مَیں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں

اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کی موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔ مجھ میں کون داخل ہوتا ہے؟ وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی کو اختیار کرتا ہے اور کجی کو چھوڑتا اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالےٰ کا ایک بندۂ مطیع بن جاتا ہے۔ ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔"

(فتح اسلام)

پس احمدی ہونے کی حیثیت میں اگر ہم چاہتے ہیں کہ خدائی حفاظت ہمیں حاصل رہے اور اس کی امان میں داخل رہتے ہوئے ہم ہر قسم کے ظاہری اور باطنی خطرات سے پوری طرح مامون و مصئون رہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس حصن حصین میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود باجود میں ہمیں عطا ہوا ہے داخل رہیں۔ بدی سے دور رہتے ہوئے بہ تعہد نیکیاں بجا لانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہمارا شعار ہو، کجی کو اپنے قریب نہ آنے دیں اور راستی پر قدم مارتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جائیں اور ہمیشہ خدا تعالےٰ کے بندۂ مطیع بنتے رہیں۔ یہ خدائی وعدہ ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے ہماری جان بچی رہے گی۔ ہم گزشتہ اسی سال سے خود اپنے وجودوں میں اس حفاظتِ خاص کا مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ خدا جو اپنے وعدہ کے عین مطابق اسی سال سے ہماری حفاظت فرماتا چلا آرہا ہے وہ آئندہ بھی ضرور ہماری حفاظت فرمائے گا لیکن شرط یہی ہے کہ ہم اپنے صدق و صفا، اخلاص و وفا اور خدمت و فدائیت کے جذبہ یعنی اپنی باطنی حالت میں فرق نہ آنے دیں کیونکہ خدا تعالےٰ کی یہ سنت ہے کہ

اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔

پھر ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خلافت کے آسمانی نظام اور خلیفۂ وقت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ کے تحت ہمیں جو ڈھال عطا فرمائی ہے ہم اس کے پیچھے رہتے ہوئے اپنے آپ کو خدائی امان کے نیچے رکھیں۔ پھر نہ شیطان ہمیں ورغلانے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی حق کا مخالف اور دشمن ہمیں گزند پہنچانے میں اپنی مراد کو پہنچ سکتا ہے۔ ہر قسم کے ظاہری اور باطنی خطرات سے محفوظ رہنے کا یہی ایک طریق ہے اس طریق کو چھوڑنے کی صورت میں ہمارے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے اور اسے اختیار کرتے اور کئے رکھنے میں ہمارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے خواہ ساری دنیا ہمیں مٹانے کے لئے کیوں نہ اکٹھی ہو جائے۔ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا
اٹھارواں
سالانہ اجتماع

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے اعلان کیا جاتا ہے کہ مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا اٹھارواں سالانہ اجتماع اپنی مخصوص روایات کے ساتھ مورخہ ۹-۱۰-۱۱ نبوت/ نومبر ۱۳۵۲ ہش / ۱۹۷۳ء بروز جمعہ ہفتہ۔ اتوار ربوہ میں منعقد ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ

مجالس انصار اللہ سے درخواست ہے کہ وہ ابھی سے اس اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوشش فرماویں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بیعت اور تبتل تام کی حقیقت

دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر الوہیت کی شاخ کے ساتھ پیوند کا نام تبتل ہے

انسان کو متبتل بننے کیلئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے اور ایک پیوند کی بھی

"ہمارے نزدیک اس وقت کسی کو متبتل کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات و مکروہات پر مقدم کرے۔ کوئی رسم و عادت کوئی قومی اصول اس کا رہزن نہ ہو سکے۔ نہ نفس رہزن ہو سکے نہ بھائی نہ جورو نہ بیٹا نہ باپ۔ غرض کوئی شے اور کوئی متنفس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ایسا اپنے آپ کو کھو دے کہ اس پر فنائے اتم طاری ہو جاوے اور اس کی ساری خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے۔ دنیا کے تعلقات بسا اوقات خطرناک رہزن ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی رہزن حضرت حوا ہو گئی۔ پس تبتل تام کی صورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سکر اور فنا انسان پر وارد ہو۔ مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گم کرے۔ بلکہ خدا میں گم کرے۔

غرض عملی طور پر تبتل کی حقیقت تب ہی کھلتی ہے جبکہ ساری روکیں دور ہو جاویں اور ہر ایک قسم

کے حجاب دور ہو کر محبت ذاتی تک انسان کا رابطہ پہنچ جاوے اور فنا اتم ایسی حاصل ہو جاوے۔

قیل و قال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور انسانی الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے مگر مشکل ہے تو یہ کہ عملی طور پر اسے بھی دے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ یوں تو ہر ایک جو خدا کو ماننے والا ہے پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کو سب پر مقدم کروں اور مقدم کرنے کا مدعی بھی ہو سکتا ہے لیکن جب ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا کے مقدم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہوگا۔ بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جب اس مال اور جان کے دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ ان سے ان کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ اشیاء ان کی اپنی بھی نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ مضائقہ کرتے ہیں۔ ابتداءً بعض صحابہ کو اس قسم کا ابتلا پیش آیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بنا مسجد کے واسطے زمین کی ضرورت تھی۔ ایک شخص سے زمین مانگی تو اس نے کچھ عذر کر کے بتا دیا کہ میں زمین نہیں دے سکتا۔ اب وہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کو سب پر مقدم کرنے کا عہد اس نے کیا تھا۔ لیکن جب آزمائش اور امتحان کا وقت آیا تو اس کو پیچھے ہٹنا پڑا گو آخر اس نے وہ قطعہ دے دیا تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہو سکتا جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو اور عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا جب تک امتحان ساتھ نہ ہو۔

ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا اور ایک شخص کو جسے

خدا نے اپنا مامور کر کے دنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے اپنا امام سمجھوں گا۔ اس کے فیصلے پر ٹھنڈے دل اور انشراحِ قلب کے ساتھ رضامند ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد بھی ہمارے کسی فیصلہ پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے۔ تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس نے پورا تبتّل حاصل نہیں کیا اور وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتّل کا مقام کہلاتا ہے۔ بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلقات کی روکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا۔ جن کو پھاڑ کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے درخت سے کاٹا جا کر الوہیت کی شاخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا اس کی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔ دیکھو جب ایک درخت کی شاخ اس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل پھول نہیں دے سکتی خواہ اسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو اور ان تمام اسباب کو جو پہلی صورت میں اس کے لئے مایۂ حیات تھے استعمال کرو۔ لیکن وہ کبھی بھی بارآور نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وہ روحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پا سکتا۔ جیسے وہ شاخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی۔ اسی طرح پر یہ بے تعلق اور الگ ہو کر بارآور نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کو متبتّل ہونے کے لئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے اور ایک پیوند کی بھی۔"

(ملفوظات جلد دوم ص۳۵۸ تا ص۳۶۰)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَاَدْرِكْ عِبَادًا لَّكَ كَمَا اَنْتَ اَقْدَرُ

(اپنے بندوں کی دستگیری کر تو بہت بڑی قدرت والا ہے۔)

وَاِنِّیْ اَرٰی اَنَّ الذُّنُوْبَ كَبِيْرَةٌ   وَاَعْرِفُ مَعَهٗ اَنَّ فَضْلَكَ اَكْبَرُ

اور یقیناً میں دیکھتا ہوں کہ گناہ بہت بڑے ہیں اور ساتھ ہی میں جانتا ہوں کہ تیرا فضل سب سے بڑا ہے۔

اِلٰهِیْ اَغِثْنَا وَاسْقِنَا وَاحْمِ عِرْضَنَا   بِسُلْطَانِكَ الْاَجْلٰى وَاِنَّكَ اَقْدَرُ

اے اللہ! ہماری فریاد رسی کر اور ہمیں پانی پلا اور ہماری عزت کی پاسبانی کر اپنی نمایاں طاقت سے اور تو بڑی قدرتوں والا ہے۔

يَئِسْنَا مِنَ الْمَخْلُوْقِ وَانْقَطَعَ الرَّجَا   وَجِئْنٰكَ يَا مَنْ يَعْلَمُ مَا يُضْمَرُ

ہم مخلوق سے مایوس ہو چکے ہیں اور امید منقطع ہو چکی ہے۔ اے اسرار کے جاننے والے ہم تیرے پاس آئے ہیں۔

تَعَالَيْتَ يَا مَنْ لَا تُحَاطُ كَمَالُهٗ   لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَيْسَ يُحْصٰى وَيُحْصَرُ

اے وہ جس کے کمال کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ تیری شان بلند ہے تیری تعریفیں بے حد ہیں۔

تَصَدَّقْ بِاَلْطَافٍ كَمَا اَنْتَ اَهْلُهَا   وَاَدْرِكْ عِبَادًا لَّكَ كَمَا اَنْتَ اَقْدَرُ

تو ہم پر نظر کرم فرما ان الطاف کے ساتھ جو تیری شان کے شایاں ہیں اور دستگیری کر اپنے بندوں کی تو بڑی قدرت والا ہے۔

فَخُذْ بِيَدِیْ يَا رَبِّ فِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ   وَاَيِّدْ غَرِيْبًا يُّلْعَنُ وَيُكَفَّرُ

اے میرے رب! تو ہر معرکہ میں میری دستگیری فرما اور اس غریب کی تائید فرما جو لوگوں کا مورد لعنت و تکفیر ہے

اَتَيْتُكَ مِسْكِيْنًا وَعَوْنُكَ اَعْظَمُ   وَجِئْتُكَ عَطْشَانًا وَبَحْرُكَ اَزْخَرُ

میں مسکینی سے تیرے حضور آیا ہوں اور تیری مدد بڑی ہے۔ اور میں تیرے پاس پیاسا ہونے کی حالت میں آیا ہوں اور تیرا سمندر موجزن ہے

(حمامة البشریٰ)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خود دمد در فانیاں آں پاک ذات

(وہ پاک ذات خود اپنی ان صفات کو فانی فی اللہ لوگوں میں پھونک دیتا ہے)

آنکہ در عشقِ احد محو و فنا است　　ہر چہ زو آید ز ذاتِ کبریا است

جو خدا کے عشق میں محو اور اسی میں فانی ہے وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ ذاتِ کبریا ہی کی طرف سے ہے۔

فانی است و تیرِ او تیرِ حق است　　صیدِ او در اصل نخچیرِ حق است

وہ فانی فی اللہ ہے اس لئے اس کا تیر خدا کا تیر ہے اور اس کا شکار در اصل خدا کا شکار ہے۔

آنچہ مے باشد خدا را از صفات　　خود دمد در فانیاں آں پاک ذات

جو خدا تعالےٰ کی اپنی صفات ہیں وہ پاک ذات خود ان صفات کو فنا فی اللہ لوگوں میں پھونک دیتا ہے۔

خوئے حق گردد در ایشاں آشکار　　از جمال و از جلالِ کردگار

خدا کی صفات ان فانی فی اللہ لوگوں سے ظاہر ہونے لگتی ہیں خواہ وہ جمالی صفات ہوں یا جلالی صفات

لطفِ شاں لطفِ خدا ہم قہرِ شاں　　قہرِ حق گردد نہ ہمچوں دیگراں

ان کا لطف خدا کا لطف اور ان کا قہر خدا کا قہر ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی طرح ان کا معاملہ نہیں رہتا۔

فانیاں ہستند از خود دور تر　　چوں ملائک کارکن از دادگر

ایسے فانی فی اللہ اپنی خودی سے بالکل دور ہوتے ہیں وہ تو فرشتوں کی طرح خدائے منصف کے کارندے ہوتے ہیں

فانی اند و آلۂ ربانی اند　　نورِ حق در جامۂ انسانی اند

وہ خدا میں فنا ہوتے ہیں اور اس کے ہتھیار بن جاتے ہیں۔ انسانی جامہ میں وہ خدا کا نور ہوتے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ صفحہ ۵۲۴)

اشاعتِ اسلام کے کام کا ازسرِ نو جائزہ لینے کی ضرورت

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

اس وقت میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنے اصلاح و ارشاد اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام کا ازسرِ نو جائزہ لے کر اس میں تیزی پیدا کرنی چاہیئے۔ ان طریقوں سے جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔

اب مثلاً ایک دہریہ شخص ہے۔ ہمارے پاکستان میں بھی اشتراکیت کے بڑے نعرے لگ رہے ہیں۔ اگر ایسے شخص کے پاس آپ جا کر حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ پیش کریں تو وہ کہے گا میں خدا تعالیٰ کو مانتا نہیں۔ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو کیسے مان لوں۔ پس جب ہم ایسے لوگوں کے پاس جائیں گے تو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں وہ دلائل پیش کریں گے جو قرآن کریم نے دیئے ہیں اور جنہیں اگر کسی کے سامنے صحیح طور پر پیش کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی عقلمند آدمی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ پھر ان پر یہ ثابت کریں گے کہ اخروی زندگی بھی ماننی پڑے گی ورنہ اس دنیاوی زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے اس نے ہمیں گدھے کتے اور سور تو نہیں بنایا۔ ہمارے اندر ہماری فطرت میں ایک URGE (ارج) رکھی گئی ہے ایک جذبہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہم اخروی زندگی کے لئے کام کریں۔ اگر اخروی زندگی نہیں تھی تو پھر جو فطرت کے اندر ایک جذبہ ہے یہ خود بخود کیسے آگیا۔ سور اور کتے میں کیوں نہیں آیا۔

پھر کفر کفر میں فرق ہے۔ قرآن کریم نے اسے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح نفاق نفاق میں فرق ہے کسی آدمی کا دل پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اس کے دل کو نرم کرنے کے لئے واغلظ علیھم پر عمل کرنا پڑے گا۔ کسی کے متعلق فرمایا کہ ان کے کان بہرے ہیں یا ان کے کانوں میں ثقل اور بوجھ ہے یا کسی کے متعلق فرمایا وہ اندھے ہیں ان کی آنکھیں نہیں۔ پس جس شخص کا کفر یا نفاق اندھے آدمی کے مشابہ ہے۔ پہلے اس کی بینائی کی فکر کرنی پڑے گی۔ یعنی وہ طریق اختیار کرنا پڑے گا جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے جو آدمی

سنتا نہیں اس کے سامنے وہ تعلیم پیش کرنی پڑے گی جو قرآن کریم نے یہ کہہ کر ہمارے سامنے رکھی ہے کہ جو نہیں سنتے ان کے سامنے یہ تعلیم رکھو۔

پس اگر ہم نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کامیاب ہونا ہے تو ہمیں اپنے اصلاح و ارشاد کے کام کا ایک نئے سرے سے جائزہ لے کر ایک نئی مہم چلانی پڑے گی۔ بعض دوستوں کا ابھی تک یہ خیال ہے کہ اگر کسی سے جا کر ملیں تو جاتے ہی مثلاً حیات و وفات مسیح کے مسئلہ پر بحث شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی شریف آدمی ہو تو وہ چپ کر کے سنتا رہتا ہے۔ جب آدھا گھنٹہ گزر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے میں تو پہلے ہی وفات مسیح کا قائل ہو چکا ہوں۔ آپ نے خواہ مخواہ آدھا گھنٹہ ضائع کیا۔ غرض اب ایک تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ سوائے چند سخت متعصب لوگوں کے کسی بھی سمجھدار پڑھے لکھے آدمی کے ساتھ آپ بات کریں گے تو وہ کہے گا میں پہلے ہی حضرت مسیح کو وفات یافتہ سمجھتا ہوں۔ یہ تو پاگلوں والی بات تھی کہ کسی انسان کو زندہ سمجھا جاتا اور آسمان پر بٹھا دیا جاتا۔ ستر۷۰ اسی۸۰ فیصد بلکہ اس سے بھی شاید زیادہ لوگ اس مسئلے پر ہمارے موقف کے قائل ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے۔ ہم اس حد تک کامیاب ہو گئے ہیں۔

اب ایک اور بڑی اچھی رَو پیدا ہو رہی ہے خصوصاً پاکستان کے نوجوانوں میں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ختم نبوت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرق ہے کہ احمدیوں سے پہلے اسلام میں مختلف فرقوں نے خاتم النبیین کے مختلف معانی کئے۔ احمدیوں نے بھی اپنا ایک معنی کر دیا۔ اس کو کوئی صحیح سمجھتا ہے تو مان لے اور صحیح نہیں سمجھتا تو نہ مانے۔ لیکن ایک احمدی کو خاتم النبیین کے اس معنی کی وجہ سے منکر ختم نبوت نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اچھی رَو ہے جو ہمارے حق میں پیدا ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آئندہ پانچ سات سال میں یہ مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ہمارے معنے مانیں یا نہ مانیں وہ ہمیں اس وجہ سے منکر ختم نبوت نہیں کہہ سکتے۔ ایسے شخص کے ساتھ آپ کا بحث اور قسم کی ہوگی۔

میں نے نوجوانوں کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ لوگوں کے لئے ایک مشکل سامنے آ رہی ہے تم اس کے لئے تیاری کرو۔ جب یہ فلسفیانہ اور نظریاتی مسئلے ختم ہو گئے تو پھر لوگوں نے کہنا ہے کہ ہم میں اور تم میں عملاً کیا فرق ہے۔ اسلامی تعلیم پر جو تم عمل کر رہے ہو تو جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا تھا تم بھی اس کا نمونہ دکھاؤ۔ پس اس کے لئے ہمیں تیار ہونا چاہیئے۔ دنیا کی طرف نہیں جھکنا چاہیئے یوں تو اس کی سب پر ذمہ داری ہے۔ لیکن نوجوان نسل پر سب سے زیادہ ذمہ داری ہے

اس لئے کہ زیادہ شدت کے ساتھ یہ سوال انہی سے پوچھا جائے گا۔ ابھی کچھ عرصہ تو اس سوال میں وہ شدت پیدا نہیں ہوگی کچھ تھوڑے بہت لوگ ابھی تک حیات و وفات مسیح کے مسئلے پر الجھتے ہیں، تاہم یہ دس پندرہ فی صد سے زیادہ نہیں ہیں۔ اسی طرح ختم نبوت کے مسئلے پر بھی لوگ الجھتے ہیں۔ لیکن یہ چالیس پچاس فیصد سے زیادہ نہیں ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ یہ مسئلہ بھی کلی طور پر نہیں تو ستر اسی فیصد تک ضرور صاف ہو جائے۔ پھر لوگ پوچھیں گے کہ ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ اسلام سے ہم نے جو حاصل نہیں کیا وہ تم نے حاصل کیا ہے تو کیا کیا ہے اس واسطے اسلامی تعلیم کا نمونہ بننے کے لئے تمہیں تیار رہنا چاہیئے اگر تم احمدیت کو واقعی سچا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نہایت ہی بابرکت اہم سمجھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کو تم واقعی پہچانتے ہو جو آج ہم پر نازل ہو رہے ہیں اور بلا فخر چونکہ وہ ہماری کسی نیکی اور خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی رحمت جوش میں ہے وہ اسلام کو غالب کرنا چاہتا ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں ہیں تو پھر تمہیں اسلام کو غالب کرنے کے لئے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین کر کے لوگوں کے لئے ایک نمونہ بننا پڑے گا۔ ورنہ جو اعتراض ہوگا اس کا آپ جواب نہیں دے سکیں گے۔ اب بھی نمونہ بننا چاہیئے۔ لیکن کل آپ کو زیادہ مشکل پڑ جائے گی۔ اب اتنی مشکل نہیں پڑتی۔ پھر ذمہ داری کے نہ نباہنے کے نتیجہ میں گناہ بھی ہے اور کفرانِ نعمت بھی ہے تاہم ابھی اتنی مشکل نہیں۔ کیونکہ سوال کرنے والے اتنے نہیں اور اچھا نمونہ دکھانے والے بہت ہیں۔ نوجوان نسل پر بڑی کثرت سے سوال کئے جائیں گے، جتنی کثرت سے یہ سوال ہوں گے اتنی شدت سے انہیں ان کے جواب دینے کے اہل بننا چاہیئے اور قابل ہونا چاہیئے۔

بہرحال یہ چار گروہ ہوگئے۔ پھر آگے دیکھیں گے کہ قرآن کریم نے کفر کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں اور پھر ایک قسم کے متعلق کیا کیا دلائل پیش کئے ہیں۔ اسی طرح نفاق کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں اور ان کے متعلق کیا کیا دلائل پیش کئے ہیں۔ اسلام کی مہم میں ہم غالب آئے تب ساری امت بہت صاف ستھری نیک پاک اور مطہر تھی ہے ورنہ نہیں بنتی۔ ان کو ایسا بنانا ہمارا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں نباہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

(اقتباس از خطبہ جمعہ ۲۲ جون ۱۹۷۲ء مطبوعہ الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۷۲ء)

برِصغیر کے مسلمانوں پر حضرت مصلح موعودؓ کے احسانات

سیاسی میدان میں

از مکرم اخوند فیاض احمد صاحب محمد نگر لاہور

"تاریخ احمدیت" جلد ششم کے شروع میں حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کے رقم فرمودہ مندرجہ ذیل چند تعارفی کلمات درج ہیں :-

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من
روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

"یہ تاریخِ احمدیت کی چھٹی جلد ہے ..... یہ چھٹی جلد ان کارناموں پر مشتمل ہے جو آپ نے مسلمانوں کے لئے سرانجام دیئے اور ہر موقع پر راہ نمائی فرمائی اور جہاں اور جس جگہ جس پہلو سے مسلمانوں کو کمزور دیکھا، مظلوم دیکھا، غلطی خوردہ دیکھا۔ آپ اپنی جانب سے، اپنے ذاتی درد کے جوش سے، جو آپ تمام اہلِ اسلام کے لئے دل میں بھرا رکھتے تھے، مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ کسی کے پکارنے اور امداد طلبی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ میں فطرتاً مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ اور محبت اور ہمدردی بدرجہ اتم موجود تھی۔ جو بھی جماعت کے ساتھ کسی کا سلوک رہا ہو۔ آپ نے کبھی اس کو یاد نہیں رکھا۔ کبھی مسلمانوں کے مفاد سے بے پرواہ نہیں ہوئے کہ اگر مسلمانوں نے اس جماعت، اور اس تازہ سرسبز ثمرخیز شاخِ اسلام کی قدر نہیں جانی۔ تو ہم پر ان کی حالت پر افسوس کرنا اور رحم کھانا ہی واجب ہے۔ گو نادانی اور کم فہمی سے بعض نادانوں کے غلط پروپیگنڈا سے یا کم علمی و ناواقفی سے، انہوں نے حق کو نہ پہچانا، اور قدر نہ کی مگر ہمارا کام تو ہر وقت، ہر موقع پر ان کی خیرخواہی اور ہر رنگ میں ان کی مدد کرنا ہے۔ ہمیں وہ عزیز ہیں ان کا سکھ ہمارا سکھ اور ان کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ ان کی عزت

ہماری عزت اور ان کی ذلت ہماری ذلت ہے۔
غرض ہر ضرورت کے وقت اپنے خاص اہم کاموں میں بھی التوا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ تڑپ کر اسلام کے نام پر آگے بڑھے کہ

آخر کنستند دعوئے حب پیمبرم

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں اور اپنے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں بلند سے بلند درجات حاصل ہوتے چلے جائیں۔ آمین"

حضرت مسند مسکے یہ کلمات حضرت مصلح موعودؓ کے قلب صافی اور رائق جذبات کی حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں جن کے تحت ہر ضروری موقع پر حضور برصغیر کے مسلمانوں کی بے لوث اور بے غرض امداد اور راہ نمائی فرماتے رہے۔ اب یہ عاجز تاریخ ہندو پاکستان کے چند واقعات اس ضمن میں مختصراً بیان کرے گا وما توفیقی الا باللہ العزیز الحکیم۔

سائمن کمیشن

برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۹۲۷ء کے آخر میں ہندوستان میں ایک کمیشن بھجوانے کا اعلان کیا جس کا کام ملکی حالات کا جائزہ لینا اور ملک کو مزید سیاسی حقوق دینے کے متعلق رپورٹ تیار کرنا تھا چونکہ کانگرسی لیڈر یہ چاہتے تھے کہ انگریز ملک کی باگ ڈور بغیر کسی تجسس اور تحقیق کے ان کے ہاتھوں میں دے دے۔ اس لئے انہوں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا اور بدقسمتی سے مسلمانوں کے بعض ذہین لیڈر بھی کانگریس کے فیصلہ سے متفق ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت مصلح موعودؓ نے مسلمانوں کو بتایا کہ کمیشن کا بائیکاٹ ہندوؤں کی ایک خطرناک چال ہے کیونکہ ہندو اور کانگریسی لیڈروں نے خود تو انگریز ممبران پارلیمنٹ اور با اثر لیڈروں سے تعلقات قائم کر رکھے تھے اور اپنے مطالبات ان تک پہنچاتے رہتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ایسے کوئی تعلقات اور ذرائع نہیں تھے۔ اب اس کمیشن کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے مطالبات پیش کرنے کا موقع ملا تھا جو بائیکاٹ سے ضائع ہو جاتا۔ حضورؓ نے ایک رسالہ "مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت" کثیر تعداد میں اردو اور انگریزی میں شائع فرمایا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے کثیر طبقہ نے جو پہلے کانگرس کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر کمیشن کے بائیکاٹ کے حق میں تھا، اپنا ارادہ بدل دیا اور انہوں نے سر شفیع صاحب کی صدارت اور ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی سیکرٹری شپ کے ساتھ ایک الگ تنظیم بنا کر کام شروع کر دیا۔ چنانچہ جب اوائل ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن ہندوستان پہنچا۔ تو کانگریس نے بہت سے جلسے جلوسوں کے ذریعہ لوگوں کو کمیشن کے بائیکاٹ پر اکسایا۔ پنجاب اور شمالی ہندوستان میں مولوی ظفر علی، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، لالہ لاجپت رائے نیز مولانا محمد علی جوہر جیسے لیڈر اور انقلاب جیسے اخبار بھی کمیشن کے بائیکاٹ کے حق میں کوشش کرتے رہے۔ کانگرسی پروگرام حضور کے بروقت مسلمانوں کو آگاہ اور بیدار کر دینے کی وجہ سے

ناکام رہا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے مسلمانوں کو بہت سے اہم مسائل سائمن کمیشن کے سامنے اٹھانے کی تلقین فرمائی تھی۔ ان میں سے ایک مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ تھا اور ایک اہم مسئلہ پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کے مطابق حقوق کا مطالبہ تھا۔ سب مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کے بارہ میں حضور کے طرز عمل سے متاثر ہو کر بمبئی کے اخبار "خلافت" نے لکھا تھا:۔

"قادیانیوں کو خواہ کافر کہا جائے خواہ مرتد ..... لیکن ان کو اس بات کا کریڈٹ ملنا چاہیئے کہ ان ..... اختلافات کے باوجود انہوں نے یہ کبھی نہیں کیا کہ تخصیص نشست چاہی ہو یا مشترک انتخاب کا مطالبہ کیا ہو۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اپنے سرکاری اثر و نفوذ کے سبب ایسا کر سکتے تھے۔ ان کا یہ کارنامہ تاریخ اپنے اندر محفوظ رکھے گی اور انہیں ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد رکھے گی۔"

(بحوالہ اخبار اہلحدیث ۲۹ جون ۱۹۳۴ء)

نہرو رپورٹ

سائمن کمیشن کی تحقیقات کے ابتدائی ایام میں برطانوی وزیر ہند نے یہ بیان دیا تھا کہ اگر ہندوستانی لوگ کمیشن کا بائیکاٹ کرتے ہیں تو انہیں خود ہندوستان کے لئے کوئی مناسب دستور تیار کر کے دکھانا چاہیئے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے پنڈت موتی لال نہرو (والد پنڈت جواہر لال نہرو) کی قیادت میں کانگریس نے ایک کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی کے دس ممبر تھے جن میں صرف دو مسلمان شامل کئے گئے اور نہرو رپورٹ تیار کی گئی جس میں مسلمانوں کی سیاسی جماعت "مسلم لیگ" کے وہ مطالبات بھی رد کر دیئے گئے جو پہلے خود کانگریس منظور کر چکی تھی۔ یعنی ایک دستور ہندوستان کے لئے پیش کیا گیا جس میں تمام اختیارات ہندو اکثریت کو دیئے گئے تھے مگر ایسے نام نہاد مسلمان لیڈر بھی ہندوستان میں موجود تھے۔ جو ایسی رپورٹ کے حق میں بیان اور خطبات دے رہے تھے جو مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی تھی۔ یعنی ابوالکلام آزاد صاحب جن کے نزدیک ہندو اکثریت کا خطرہ محض ایک "شیطانی وسوسہ" (بحوالہ تحریک آزاد مرتبہ انور عارف ص۱۸۱) تھا ان کا کہنا تھا کہ برصغیر میں:۔

"اگر ایسے پانچ دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی گذری ہوئی تہذیب و معاشرت کو پھر تازہ کریں جو وہ ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے یہ بھی کہوں گا کہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی تخیل ہے اور حقیقت کی سرزمین میں ایسے خیالات اُگ نہیں سکتے۔" (خطبات ابوالکلام آزاد ص۲۱۹)

اِدھر پنجاب میں "خلافت کمیٹی" کے سابق ارکان یعنی چوہدری افضل حق سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی

صاحبان "نہرو رپورٹ" کی تائید کر رہے تھے۔ مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار "زمیندار" لاہور اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی اس رپورٹ کے حق میں تھے۔

لیکن کئی دردمند مسلمان لیڈر اس رپورٹ کے مخالف تھے۔ جن میں سر محمد شفیع، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد اقبال جیسے اصحاب شامل تھے۔ مگر اس رپورٹ کے مخالف کوئی ٹھوس تبصرہ یا منظم تحریک ان اصحاب کی طرف سے شروع نہ ہوئی۔ ایک صاحب تصدق احمد شروانی ممبر مجلس وضع آئین و قوانین ہند نے انہی دنوں اخبار زمیندار (۲۹ ستمبر ۱۹۲۸ء) میں لکھا:۔

"نہرو رپورٹ کے شائع ہونے اور آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں اس کے منظور ہو جانے کے بعد بھی اخبارات میں اس کے متعلق مخالف اور موافق متعدد مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ جہاں تک میری نظر سے اردو اخبارات گذرے ہیں، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کسی اخبار میں میں نے کوئی تنقید یا تبصرہ اس رپورٹ کے متعلق نہیں دیکھا۔ اجمالی طور پر اس رپورٹ کی موافقت یا مخالفت کی گئی ہے۔"

اس وقت ٹھوس دلائل و براہین اور واقعات و شواہد کی بناء پر "نہرو رپورٹ" کو اگر کسی مرد مسلمان نے چیلنج کیا تو وہ تمام برصغیر میں سیدنا مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد رضی اللہ عنہ کا وجود تھا۔ حضور نے اپنا تبصرہ بالاقساط روزنامہ الفضل میں "نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ پھر یہ تبصرہ کتابی صورت میں "مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ" کے عنوان سے وسیع پیمانے پر ملک میں شائع کیا گیا۔ یہ تبصرہ مسلمانوں کے لئے ایک بروقت انتباہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشش نہ کرو۔ اب جبکہ انگلستان نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ ہندوستان کو نیابتی حکومت کا حق ہے اس کے لئے جو جائز کوشش کی جائے میں اس میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوں۔ مگر جو چیز مجھ پر گراں ہے اور میرے دل کو بیٹھائے دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے حقوق کی حفاظت کئے بغیر آئندہ طریق حکومت پر راضی ہو جائیں اس کے نتائج نہایت تلخ اور نہایت خطرناک نکلیں گے۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ جب تک دونوں مسلم لیگز (شفیع لیگ اور جناح لیگ ناقل) کی پیش کردہ تجاویز کو قبول نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک وہ کسی صورت میں بھی سمجھوتے پر راضی نہ ہوں۔ ورنہ جو خطرناک صورت پیدا ہو گی اس کا تصور کر کے بھی دل کانپتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی حضور نے تفصیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے متحدہ کوششوں کے لئے طریق عمل رکھا اور اپنی طرف سے مکمل تعاون کا یقین ان الفاظ میں دلایا۔

"میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں باقی تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ مل کر ہر قسم کی جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں اور میری جماعت احمدیہ کے وسیع اور مضبوط نظام کو اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام

جائز صورتوں میں لگا دینے کا وعدہ کرتا ہوں "۔ (مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ)

حضورؓ کے ارشاد پر احمدیہ جماعتوں نے تمام ہندوستان میں "نہرو رپورٹ" کے خلاف پے بہ پے احتجاجی جلسے کئے جس کے نتیجہ میں تمام مسلمانانِ ہند میں ایک خاص جذبۂ جوش بیدار ہو گیا اور ہندوستان کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ حضورؓ کے زیرِ ہدایت احمدی والنٹیرز نے ملک کے دورے کر کے مسلمانوں کی رائے عامہ کو نہرو رپورٹ کے خلاف خوب بیدار کر دیا تھا۔ چنانچہ آل مسلم کانفرنس پٹنہ" کی طرف سے حضورؓ کے مطالبات کی تائید کی گئی۔ اس کانفرنس کے صدر مولانا محمد علی جوہر تھے اور بالآخر ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس" سر آغا خاں کی صدارت میں دہلی میں ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء تا ۲ جنوری ۱۹۲۹ء منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں بیس احمدی اراکین بھی شامل ہوئے (بحوالہ "سرگزشت" از عبدالمجید سالک) اس کانفرنس میں برصغیر کے مسلمانوں کے جائز حقوق کے بارہ میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس کے متعلق جناب عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:۔

"اس کانفرنس میں مسلمانوں کے تمام سیاسی مطالبات کے متعلق ایک قرارداد منظور ہوئی جس کا چرچا ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہوا اور بعد میں مسٹر محمد علی جناح نے بھی اپنے چودہ نکات اسی قرارداد کے اصول پر مرتب کئے۔" (ذکرِ اقبال صفحہ ۱۴۳)

غرض مسلمانانِ ہند کی یہ سیاسی بیداری اور محترم محمد علی جناح کی آئندہ کامیاب سیاسی مساعی کا آغاز درحقیقت حضرت مصلح موعودؓ کی اس خداداد بصیرت، ہمت اور کوشش کا ہی نتیجہ تھا جو ہمیشہ برصغیر کے مسلمانوں کے حق میں مصروف رہتی تھی۔ حضورؓ ہی کا وجود تھا جو سب سے پہلے اس خطرناک دشمنِ اسلام پنڈت موتی لال نہرو اور کانگریسی لیڈروں اور ان کے طفیلیوں اور ہمنواؤں کے مقابل آکر ڈٹ گیا اور مصروفِ عمل ہو گیا۔

جناح لیگ اور شفیع لیگ کا الحاق

برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ میں جناح لیگ اور شفیع لیگ کا الحاق ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ الحاق جو ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء کو ظہور پذیر ہوا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے فکر و کاوش کا نتیجہ تھا۔ حضورؓ کے زیرِ ہدایت جماعت احمدیہ کے بلند پایہ بزرگ مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ دونوں لیڈروں یعنی مسٹر محمد علی جناح اور سر شفیع میں مفاہمت کے لئے سرگرم عمل رہے۔ سب سے پہلے حضورؓ پُر نور نے شفیع لیگ کے سیکرٹری ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور محمد علی جناح صاحب کو خطوط لکھے اور اس کے نتیجہ میں مارچ ۱۹۲۹ء میں جب سر محمد شفیع اور محمد علی جناح صاحب کی پہلی مصالحانہ ملاقات ہوئی تھی تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب (ناظر امور خارجہ جماعت احمدیہ) بھی حضور کے نمائندہ کے طور پر اس ملاقات کے وقت موجود تھے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار "ہمدرد" کی اشاعت ۵ مارچ ۱۹۲۹ء میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اور

بالآخر فروری ۱۹۳۰ء میں دونوں مسلم لیگیں ایک ہوگئیں۔ نظارت امور خارجہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی رپورٹ ۱۹۲۹-۳۰ء میں لکھا ہے۔

"دہلی کی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں اس حالی آخری جلسہ میں ہر دو مسلم پارٹیوں کی مصالحت ہوئی جو مدت بعد عمل میں آئی اور اس مصالحت کے کرانے میں ہماری طرف سے بہت کوشش ہوتی رہی فالحمدللہ۔ امید ہے کہ اب انشاء اللہ سب مسلمان مل کر اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے سرگرم ہوسکیں گے۔"

بظاہر اس کو خواہ چھوٹا سا واقعہ سمجھا جائے لیکن درحقیقت اس صلح کے نتیجہ میں آئندہ برصغیر کے مسلمانوں کی صحیح سیاسی لیڈرشپ کو پورے طور پر ابھرنے کا موقع ملا اور اسی لیڈرشپ یعنی بابائے ملت محمد علی جناح کی سیاسی قیادت میں پھر مسلمانوں کو ایک آزاد وطن "پاکستان" کی شکل میں ملا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا مسلم پریس کی حفاظت کا جذبہ

جب ۱۹۳۰ء میں پنجاب کانگریس کمیٹی نے کانگریس مخالف مسلم پریس کو ختم کرنے کے لئے ان کے خلاف پکٹنگ کرنے کا اعلان کیا تو حضرت مصلح موعودؓ کے زیرہدایت ناظر امور خارجہ صدر انجمن احمدیہ قادیان نے لاہور کے مسلم اخبارات "انقلاب" اور "سیاست" کے نام تار دیا۔

"جماعت احمدیہ کو یہ سنکر افسوس ہوا کہ کانگریس کے رضاکار آپ کے دفتر پر پہرہ بٹھانے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ چونکہ یہ امر پابند قانون شہریوں کا مقصد مشترک ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ قادیان حسب ضرورت اپنے آدمیوں کو لاہور بھیجنے کے لئے بالکل تیار ہے تاکہ وہ کانگریس کے جارحانہ اقدام کے مقابلے میں اخبارات کی حفاظت کریں۔

اس پر اخبار "انقلاب" نے ۲۹ مئی ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں لکھا:

"ہم جماعت احمدیہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی طرح ہر مسلمان اس خادم جریدے کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہے۔ جب تک ملت اسلامیہ انقلاب کی پشت پناہ ہے انقلاب کو کفر کی طاقتیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔"

اخبار سیاست کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب نے اس تار کے جواب میں اپنے خط میں لکھا:

"جناب من! میں دلی شکریہ کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اس موقع پر آپ نے جس برادرانہ ہمدردی اور سچی اسلامی سپرٹ کا اظہار کیا ہے اس نے مجھ پر اور میرے متعلقین پر

ایک دیرپا اثر قائم کیا ہے۔ میں آپ کی معرفت آپ کی جماعت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں اس پیشکش کے لئے بے حد ممنون ہوں۔"

(بحوالہ اخبار الفضل ۳ر جون ۱۹۳۰ء)

حضرت مصلح موعودؓ کے کشمیری مسلمانوں پر احسانات

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے مجموعی مفادات کی نگرانی فرمائی اور نہ صرف حضورؓ کی بے مثال راہ نمائی، مساعی اور قربانیوں کے نتیجہ میں تمام برصغیر کے مسلمانوں نے مجموعی طور پر عظیم الشان برکات و فوائد حاصل کئے بلکہ ضرورت پڑنے پر حضور نے محدود علاقہ اور طبقہ سے تعلق رکھنے والے مسائل کی طرف بھی توجہ دلانے سے گریز نہ کیا۔ اس امر کی ایک نہایت درخشندہ مثال وہ کردار ہے جو ریاست کشمیر کے مسلمانوں کو ان کے ابتدائی انسانی حقوق دلانے کے بارہ میں حضور نے ادا فرمایا

کشمیر کے مجبور و محکوم مسلمانوں کی خونی داستان ایک طویل اور درد انگیز داستان ہے۔ مختصراً یہ کہ اس خطہ میں جس کی مسلمان آبادی سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ عام رعایا تو الگ، ابتداءً اردگرد کے چھوٹے مسلمان نوابوں کو مغلوب کرنے کے بعد ڈوگرہ حکمران کے حکم سے ان کو زندہ درگور کیا گیا۔ یا ان کی آنکھیں نکلوا دی گئیں۔ اور بعض کی کھال کھچوادی گئی۔ عام لوگوں سے ڈوگرہ افسروں کے سلوک کے متعلق ایک غیر ملکی کرنل ڈیورنڈ لکھتا ہے :-

"تمام افسر اور سپاہی یا تو ڈوگرہ قوم سے ہیں یا دوسرے ہندوؤں سے کہ جنہیں کشمیریوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ سپاہی مزدوروں سے کتوں کا سا سلوک کرتے اور انہیں اس طرح پیٹتے تھے جیسے کوئی بوجھ اٹھانے والے جانوروں کو پیٹتا ہے۔"

(بحوالہ "مختصر تاریخ کشمیر" از اللہ بخش یوسفی)

جہاں ایسا غیر انسانی سلوک کشمیری مسلمانوں سے روا رکھا جاتا رہا تھا وہاں ۱۹۲۱ء میں کشمیر میں وسیع پیمانے پر شدھی کا پروگرام بنایا گیا (ملاحظہ ہو کتاب کشمکش صفحہ ۳۹ مولفہ چوہدری غلام عباس صاحب)

ان حالات میں جموں میں، جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی ایک مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن نے کشمیر میں فتنہ شدھی کے مقابلہ کے لئے سرگرمی سے کام شروع کیا۔ اس ایسوسی ایشن کے دو ممبر مخلص احمدی تھے یعنی چوہدری نواب خان صاحب (والد ماجد چوہدری غلام عباس صاحب) اور سیکرٹری یعقوب علی صاحب۔ ۱۹۲۴ء میں اس ایسوسی ایشن کے پہلے سالانہ جلسہ میں چوہدری غلام عباس صاحب کی دعوت پر سلسلہ احمدیہ کے ممتاز عالم اور بزرگ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے بھی تقریر فرمائی۔ اس جلسہ کے متعلق چوہدری غلام عباس صاحب لکھتے ہیں :-

"مسلمانوں کے سینوں میں ایک غیر مرئی جوش و ہیجان پیدا ہوگیا۔ ان کی مدتوں سے بے حس رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ جلسہ کے اختتام پر ایسوسی ایشن کی پوزیشن کو چار چاند لگ گئے اور کارکنانِ ایسوسی ایشن عوام کی توجہ کا مرکز اور ان کے سیاسی مستقبل کی امید بن گئے۔" (کشمکش ص۴۴)

درحقیقت کشمیر میں شدھی کی تحریک کشمیر سے افغانستان تک ہندو راج قائم کرنے کے منصوبے کی پہلی کڑی تھی (تفصیل کے لئے دیکھو "مسئلہ کشمیر اور ہندو مہاسبھائی" مولفہ مہاشہ ملک فضل حسین صاحب)

انہی ایام میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو کئی بار کشمیر تشریف لے جانے کا موقع ملا اور حضور نے بنفس نفیس وہاں حالات کا مطالعہ فرمایا۔ حضور کا دل کشمیر کے مسلمانوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر بے چین ہوگیا اور حضور نے کئی مضامین جماعت احمدیہ کے اخبار الفضل میں کشمیری مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی اور تمدنی و معاشرتی آزادی کے حق میں شائع فرمائے۔ اور ہندوستان میں رائے عامہ کو غلام مظلوم کشمیری مسلمانوں کے حق میں بیدار کرنے کی سعی فرمائی۔

کشمیری لیڈروں کی امداد

اس زمانہ کے ایک مشہور کشمیری لیڈر مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء (سابق مفتی اعظم پونچھ) لکھتے ہیں:۔

"آغاز تحریکِ آزادی میں مظلوم کشمیریوں کی طرف سے زعماء ہندوستان کی خدمت میں خطوط بھیجے گئے جن میں ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال (شاعرِ مشرق) جناب شیخ صادق حسن صاحب امرتسری، امام جماعت احمدیہ اور خواجہ حسن نظامی دہلوی شامل ہیں اور لکھا گیا کہ مظلوموں کی مدد کیجئے۔ سب کی طرف سے یہ جواب آیا کہ آپ نے ایسے خطرناک کاموں میں کیوں ہاتھ ڈالا اور بس۔ صرف امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے یکمشت، ایک خطیر رقم مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے موصول ہوگئی۔"

(اردو ترجمہ از "نوحہ کشمیر" فارسی ص۱۲-۱۳)

جب کشمیری مسلمانوں میں بیداری بڑھنے لگی اور وہ اپنے حقوق کے مطالبات کے لئے منظم کوشش کے قابل ہونے لگے تو مہاراجہ کی طرف سے ظلم و ستم کی انتہاء ہوگئی۔ پولیس اور فوج کے ذریعہ سینکڑوں نہتے اور پُرامن جلسوں اور خطباتِ جمعہ میں شریک لوگوں کو ایک ایک وقت میں شہید کر دیا جاتا۔ کشمیری لیڈروں کو جیل میں ٹھونسا جانے لگا۔ ادھر ہندوستان کے ہندو پریس نے ان واقعات کو ایسے رنگ میں پیش کرنا شروع کیا کہ مسلمان ریاست میں مسلح بغاوت کر رہے ہیں۔ اور مہاراجہ اور اس کی فوج اور پولیس کے اقدام خود حفاظتی میں ہیں۔ ان حالات میں حضرت مصلح موعودؓ نے وائسرائے ہند کو کشمیری مسلمانوں کے حق میں تار دلوائے۔ ہندوستان کے مسلمان زعماء کو ان مظلوم

اور پسماندہ بھائیوں کی امداد کی طرف توجہ دلائی۔ آخر جولائی ۱۹۳۱ء میں شملہ میں مسلم زعماء کی ایک کانفرنس ہوئی۔ جس میں حضور بھی شریک تھے۔ اس کانفرنس میں مسلمانان کشمیر کی مؤثر امداد کے لئے ایک "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور حضور سے درخواست کی گئی کہ اس کمیٹی کی صدارت قبول فرما دیں اور سب کے اصرار پر حضور یہ ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہو گئے۔ حضور کو "کشمیر کمیٹی" کی صدارت کی درخواست کے بارے میں ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے ایک ملاقات کے دوران ممتاز احمدی بزرگ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سے کہا:

"سچی بات تو یہ ہے کہ جب کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ بیچارے کشمیریوں کو مہاراجہ تباہ کر کے رکھ دے گا تو مجھے اور دیگر مسلمان لیڈروں کو خیال پیدا ہوا کہ کشمیریوں کی کیسے مدد کی جائے۔ ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے جلسے وغیرہ کئے اور کارکنوں اور سرمایہ کے بغیر تحریک کی تو اول تو دیانتدار کارکن نہ ملیں گے اور سرمایہ جمع نہیں ہوگا۔ اور جو سرمایہ جمع ہوگا وہ بے ایمان کارکن کھا جائیں گے اور اس دوران میں مہاراجہ تحریک کو کچل کر رکھ دے گا۔ کام فوراً شروع ہونا چاہیئے۔ ہم نے سوچا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی شخصیت ہے کہ اگر وہ اس تحریک کی قیادت منظور کرلے تو دیانتدار کارکن بھی مہیا کرے گی۔ سرمایہ بھی جمع کر لے گی۔ وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی۔ اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی پروپیگنڈا وہ خود کرے گی اور وائسرائے اور اس کے سیکرٹریوں سے ملاقات بھی خود کرے گی۔ وہ شخصیت مرزا محمود احمد ہیں۔"

(بحوالہ ہفت روزہ لاہور ۲۴ مئی ۱۹۶۵ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کی صدارت قبول فرماتے ہوئے مسلم زعماء سے ایک بنیادی شرط منوائی تھی اس کے بارہ میں محترم سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ کا بیان ہے:

"جب ۱۹۳۱ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لیڈران قوم کے مشورہ بلکہ ان کے اصرار اور اعتماد پر تحریک کشمیر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس وقت حضور نے صرف اس شرط پر اس مبارک کام کو اپنے ہاتھ میں لیا کہ آپ کی ساری کوششیں کانسٹی ٹیوشنل یعنی دائرہ نظام کے اندر ہونگی اور اس طرح تعاون پر مبنی ہونگی جو جماعت احمدیہ کے مذہبی اصول میں سے ایک اہم اصول ہے۔ لیڈروں نے اس شرط کو منظور کیا۔"

(اخبار اصلاح سرینگر ۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء)

حضرت مصلح موعودؓ کی زیر نگرانی اور زیر ہدایت جب حضورؓ کے خاص خدام نے مسلمانان کشمیر کو منظم کرنے کا

کام شروع کیا تو اخبار انقلاب نے لکھا:

"کشمیر کمیٹی کے ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ وہاں پہلے ہی متعدد ارکان مصروفِ کار تھے لیکن ان کی امداد اور مسلم نمائندوں سے مشاورت کرنے کی غرض سے پنجاب کے بعض مقتدر اور تجربہ کار حضرات بھیجے گئے جنہوں نے اندرونِ کشمیر کے منظم کرنے میں نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم عہدہ داروں اور کارکنوں کے شکرگزار ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس شکرگزاری میں مسلمانانِ کشمیر ہم سے کاملاً ہم آہنگ ہیں کہ کمیٹی کے کارکنوں نے نہایت بے نفسی اور انتہائی فراست سے ان کاموں کو نباہا ہے۔"

(انقلاب ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء)

مسلمانانِ کشمیر کے بارہ میں ہندوستان کا ہندو پریس جو گھناؤنا کردار ادا کرتا رہا اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ چونکہ حضرت مصلح موعودؓ کے صدر کشمیر کمیٹی مقرر ہونے کے بعد کشمیر کے مقتدر اور با اثر راہنما بار بار حضور سے مشورہ و ہدایت کے لئے قادیان آتے تھے (اگرچہ ان کی پبلسٹی نہیں کی جاتی تھی پھر بھی دشمنوں کو علم تھا) ان کے بارہ میں ایک مرتبہ ہندو اخبار "ملاپ" نے طنزاً لکھا:

"ہم کشمیری مسلمان بھائیوں سے چند کلمات کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ بیرونی مسلمانوں کے اشارے پر ناچنا بند کر دیں۔ دوم یہ کہ بیرونی مسلمانوں کے تنخواہ دار کشمیری ایجی ٹیٹروں کو کہہ دیں کہ ہم تمہاری لیڈری سے باز آئے۔ اب معاف رکھو اور اگر کشمیر میں تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا تو قادیان میں چلے جاؤ۔" (ملاپ ۱۲ جون ۱۹۳۲ء)

لیکن کشمیری لیڈر حضرت مصلح موعودؓ کی قیادت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی امداد کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ صاحب نے مسلمانانِ ہند کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

"جن حالات میں سے کشمیر کے مسلمان اس وقت گزر رہے ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی تمدنی اور تعلیمی اور مذہبی ترقی کے لئے جدوجہد ایک صرف کثیر کو چاہتی ہے۔ اندریں حالات ہم بیرونِ کشمیر کے مسلمان بھائیوں سے پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کارِ خیر میں ہماری امداد فرمادیں۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" نے اس وقت اپنے قیمتی مشورہ سے امداد کرنے کے علاوہ ہماری قانونی امداد بھی کی ہے اور مالی امداد بھی ہمیں صرف انہی سے پہنچی ہے۔ اس لئے ہم برادرانِ ملت سے پُرزور اپیل اور استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس کے فنڈز کو مضبوط کرنے کی طرف فوری توجہ

فرمادیں تاکہ مالی تنگی کی وجہ سے ضروری کاموں میں حرج واقع نہ ہو"۔۔
(اس خط کی فوٹو کاپی تاریخ احمدیت جلد ششم میں شائع ہو چکی ہے)

حضرت مصلح موعودؓ نے نہ صرف اندرون ہند بلکہ بیرون ملک بالخصوص انگلستان میں اپنے خدام کے ذریعہ مسلمانانِ کشمیر کے حق میں نہایت مؤثر پبلسٹی فرمائی۔ جناب غلام رسول مہر نے جو نمائندہ انقلاب کی حیثیت سے انگلستان گئے تھے یہ لکھا:۔

"کشمیری مسلمانوں کے تعلق میں برطانوی جرائد کا رویہ پہلے کی نسبت بہتر ہے اور اس میں بلاشبہ دریب مولوی فرزند علی صاحب امام مسجد لنڈن کا بڑا حصہ ہے جو شروع سے لے کر کشمیر کے تعلق میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے ہیں۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوتی رہیں ان کے علاوہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی طرف سے متعدد تار موصول ہوئے جن کی کاپیاں ایک ایک مندوب کے پاس بھیجی جاتی ہیں۔" (اخبار انقلاب ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء)

چوہدری غلام عباس صاحب رقمطراز ہیں:۔

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی معرفت ہماری شکایات سمندر پار کے مسلمانوں میں بھی زبان زد خاص و عام ہو گئیں۔ اس نزاکتِ حال کے پیشِ نظر حکومت کشمیر کے لئے ہماری شکایات کو ٹالنا اور بزورِ طاقت عوامی محرکات کو بلا فکر نتائج کچلتے چلے جانا مشکل ہو گیا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پیہم اصرار کے باعث حکومتِ ہند کا معاملاتِ کشمیر میں دخل انداز ہونا ناگزیر ہو گیا۔"
(بحوالہ کتاب کشمکش ص ۱۱۱-۱۱۲)

مفتی مولوی عتیق اللہ صاحب (پونچھ) تحریر فرماتے ہیں:۔
"آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جس خلوص اور ہمدردی کے ساتھ مسلمانانِ ریاست جموں و کشمیر کی مالی جانی قانونی امداد دی اس کے لئے ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ زبانِ سپاس ہے۔ ہم لوگ اس کمیٹی کی بے لوث مالی امداد کے تازیست ممنون رہیں گے۔ اس کمیٹی نے شہداء کے پسماندگان کا خیال رکھا۔ یتامیٰ و ایامیٰ کی پرورش کی۔ محبوسین کے پسماندگان کو مالی امداد دی ماخوذین کو قانونی امداد دی۔ کارکنوں کو گراں قدر مشورے دیئے۔ جنگلوں میں، پہاڑوں میں جاکر مظلومین کی امداد کی۔ ماخوذین کی اپیلیں دائر کیں اور ان کے مقدمات کی پیروی کی قابل ترین قانونی مشیر بہم پہنچائے۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند میں ہماری مظلومیت ظاہر کرنے کی جان توڑ کوشش کی۔ ہماری آواز کو حکام بالا تک پہنچایا۔ ہماری تسلی اور تسکین کی خاطر اشتہارات

اور ڈیٹیشنز شائع کئے۔ ہر وقت قابل اور موزوں والنٹیرز دیئے۔ دنیائے اسلام کو ہمارے حالات سے آگاہ کرکے ہمدردی پر آمادہ کیا۔ اخبارات کے ذریعہ ہماری مظلومیت کو ظاہر کیا۔"

(اخبار انقلاب ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء)

آخر مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور تحریک آزادیٔ مسلمانانِ کشمیر کے اثر کو ختم کرنے کے لئے ڈوگرہ حکمرانوں نے ابوالکلام آزاد صاحب اور سر تیج بہادر سپرو کو کشمیر میں بلوایا۔ جناب آزاد نے کشمیری مسلم لیڈروں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ معاملات کو سیاست میں نہ الجھائیں اور ایجی ٹیشن بند کرکے مہاراجہ کی ذات پر اعتماد کا اظہار کریں اس پر ایک اخبار نے لکھا:۔

"اگر مولانا ابوالکلام آزاد نے قوم کا اعتماد حاصل کرنا ہے تو وہ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" سے گفتگو کئے بغیر اس معاملہ میں دخل نہ دیں۔" (اخبار کشمیری لاہور ۷ر اگست ۱۹۳۱ء)

مگر افسوس بعض کشمیری مسلمان لیڈر آزاد صاحب کی باتوں میں آگئے اور انہوں نے ڈوگرہ حکومت سے ایک عارضی صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس واقعہ کے بعد ایک اشتہار شائع فرمایا کہ مسلمانانِ کشمیر ڈوگرہ حکومت پر زور دیں کہ اس عارضی صلح نامے کے ماتحت ضروری مراعات ایک ماہ کے اندر دی جائیں ورنہ معاہدہ کالعدم سمجھا جائے گا (الفضل ۳ر ستمبر ۱۹۳۱ء) دوسری طرف مجلس احرار نے بعض اقدام (کشمیر ایجی ٹیشن کی آڑ میں) کرنے شروع کئے جس سے مسلمانانِ کشمیر کی تحریک کو بہت نقصان پہنچا۔ اخبار سیاست لکھتا ہے:۔

"جماعت احرار نے اہل الرائے مسلمانوں کے مشورہ کے خلاف کشمیر کو جتھے روانہ کئے۔ جو آخر ناکام ہو کر ملت مرحومہ کی رسوائی کا باعث ہوئے۔" (سیاست ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۲ء)

کشمیری لیڈر مفتی جلال الدین صاحب نے لکھا:۔

"میں بصد تاسف احرار کی سرگرمیوں کی مذمت پر مجبور ہوں کیونکہ ان گمراہوں کے بے جا جوش و خروش نے ہماری زندگیوں کو تباہ و برباد کرکے عظیم الشان مصائب میں مبتلا کردیا۔"

(بحوالہ سیاست ۲۴ر نومبر ۱۹۳۲ء)

اور ہندو یہ جانتے تھے کہ مجلس احرار کی سرگرمیاں فی الحقیقت مسلمانانِ کشمیر کو فائدہ پہنچانے کے لئے یا ریاست کی ڈوگرہ ہندو حکومت کو کوئی نقصان پہنچانے کے لئے نہ تھیں۔ چنانچہ ہندو اخبار ملاپ کا یہ بیان قابل غور ہے۔

"جہاں تک ہندو ریاست کے استحکام کا معاملہ ہے خطرہ کی کوئی بات نہیں اس شرارت کا منبع اس قدر ریاست کے اندر نہیں جتنا کہ برٹش پنجاب میں ہے۔ یہاں کے قادیانی، ہندو دھرم، قوم پرستی، کانگریس یا گاندھی کے سخت دشمن ہیں...... احرار کی سرگرمیوں کا کوئی نوٹس نہیں

لینا چاہیئے ان کما ابھی نیشن خالی خولی ہے۔" (طالب ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

قصہ مختصر بالآخر ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو مہاراجہ کشمیر نے اپنی سالگرہ کے دن شیخ عبداللہ صاحب سمیت کشمیری لیڈروں اور بعض سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے ریاست میں مارشل لا اٹھا لینے اور کشمیری مسلمانوں کو ابتدائی مراعات اور انسانی حقوق دینے کا فیصلہ کیا۔ اس موقعہ پر شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب نے لکھا۔

"حقیقت یہ ہے کہ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" اور اس کے اراکین کی اندرونی کوششوں کا نتیجہ ہے ... زیادہ اثر آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے ولایتی پروپیگنڈا کا ہے۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے صدر نے ممتاز مسلمانوں کے ذریعہ لندن میں کوشش کی۔ انگلستان کے بڑے بڑے اخباروں نے ریاست کشمیر کے مظالم کی اطلاعیں شائع ہوئیں اور اخباروں نے ریاست کشمیر کو مطعون کیا اور مسلمان لیڈروں نے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے صدر کی تحریک کی وجہ سے وزیر ہند پر زور ڈالا اور وائسرائے نے ریاست کی حکومت پر زور ڈالا۔ جب یہ نتیجہ نکلا۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے صدر اور سیکرٹری اور اراکین کی ایک خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر مسلمانوں کو باہمی تفرقہ سے بچانے کی کوشش کی۔ ورنہ بعض مسلمان ریاست کی حکمت عملی کا شکار ہو گئے اور انہوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری کی نسبت یہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا تھا کہ وہ صحیح عقیدہ کے مسلمان نہیں۔ اس واسطے مسلمان ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ مگر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری اور اراکین نے عقلمندی اور صبر و ضبط سے کام لیا ورنہ بات بڑھ جاتی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگتے اور کشمیر کی حمایت کا کام رک جاتا اور کشمیر کے مسلمانوں پر بہت زیادہ ظلم ہونے لگتے کیونکہ ریاست کے حکام مسلمانوں کی خانہ جنگی سے مضبوط ہو جاتے۔"

(روزنامچہ" مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

ہندو کانگریس کی تحریک "سول نافرمانی" اور مصلح موعودؓ

اس بارہ میں کوئی تفصیل بیان کرنے کی بجائے ایک غیر مسلم صحافی سردار ارجن سنگھ صاحب ایڈیٹر رنگین امرتسر کی تحریر کا ایک حصہ درج کرنا کافی ہے سمجھتے ہیں:۔

"خلیفہ قادیان کانگریس کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ اگرچہ کسی زمانہ میں قریباً تمام کے تمام مسلمان

کانگریس کے ساتھ ملنا باعث عزت سمجھتے تھے۔ لیکن اس وقت بھی خلیفۂ قادیان کا کوئی مرید کانگریس کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ جن دنوں سول نافرمانی کا بڑا زور تھا اور مسلمانوں کی اکثریت سول نافرمانی کی حامی تھی۔ لیکن خلیفۂ قادیان کو سول نافرمانی سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا بلکہ آپ سول نافرمانی کو ملک کے لئے مضر خیال کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے پیروؤں میں سے کسی ایک نے بھی کبھی اور کسی حالت میں سول نافرمانی کی حمایت نہ کی۔ الغرض احمدی جہاں مذہبی احکام میں اپنے لیڈر کی پیروی کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہاں سیاسی لحاظ سے بھی اپنے خلیفہ کی تابعداری ضروری سمجھتے ہیں اور لطف تو یہ ہے کہ بحالات موجودہ خود مسلمانوں کی بڑی بھاری اکثریت بلکہ ایک معنی میں ساری کی ساری قوم کانگریس سے قطع تعلق کر چکی ہے۔ ...... گویا مسلمان بحیثیت قوم انہی سیاسی عقائد کی جانب مائل ہو رہے ہیں جو پہلے پہل خلیفۂ قادیان نے پیش کئے تھے۔" (کتاب خلیفۂ قادیان ص۱۵)

حضرت مصلح موعودؓ اور آزادیٔ وطن

جب وسط ۱۹۴۵ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے لارڈ ویول آزادیٔ ہند کے لئے ایک نیا فارمولا لے کر برصغیر میں آئے تو سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ہندوستانی لیڈروں کو نہایت مؤثر رنگ میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی۔ حضورؓ نے ۲۲ جون ۱۹۴۵ء کو ایک تفصیلی خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور اس میں مختلف سیاسی لیڈروں کو آپس کے اختلافات کو بھول جانے اور آزادی کے حقوق حاصل کرنے کے اس موقع کو ضائع نہ کرنے کی طرف دردمندانہ توجہ دلائی۔ حضورؓ نے فرمایا:۔

" یہاں چالیس کروڑ انسان غلامی میں مبتلا ہے۔ چالیس کروڑ انسان کی ذہنیت نہایت خطرناک حالت میں بدل چکی ہے۔ نسلاً بعد نسل وہ ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ انگریز جس نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہندوستان کو آزادی دینے کا اعلان کر رہا ہے۔ لیکن سیاسی لیڈر آپس میں لڑ رہے ہیں کہ تمہارے اتنے ممبر ہونے چاہئیں اور ہمارے اتنے ...... ہم ایک قلیل جماعت ہیں اور ہم ان حالات کو دیکھنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری جماعت یہ دعا ضرور کر سکتی ہے کہ اے خدا! خواہ مسلمان لیڈر ہوں یا ہندو، تو ان کی آنکھیں کھول اور انہیں اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ ہندوستان کے چالیس کروڑ غلاموں کی زنجیریں کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے لئے مفید ہے بلکہ آئندہ دنیا کے امن کے لئے بھی مفید ہے ...." (الفضل ۲۳ جون ۱۹۴۵ء)

لارڈ ویول نے ہندوستان کے تمام سیاسی لیڈروں کی ایک کانفرنس شملہ میں بلائی۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کئے جانے پر زور دیا تاکہ اگر ملک میں مخلوط حکومت قائم کی جائے تو مسلمان نمائندے تمام مسلم لیگ سے لئے جائیں۔ لیکن کانگریس نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور نیشنلسٹ کہلانے والے اور دوسرے اپنے باجگذار نام نہاد مسلمانوں کی غیر نمائندہ جماعتوں کے اراکین بھی حکومت میں شامل کئے جانے پر اصرار کیا۔ اس لئے لارڈ ویول کی بلائی ہوئی شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی۔ مسٹر جناح نے یہ مطالبہ کیا کہ تمام ملک میں انتخابات کرائے جائیں، اس طرح تمام پارٹیوں کی نمائندہ حیثیت کا صحیح فیصلہ ہوجائے گا۔ آخر ستمبر ۱۹۴۵ء میں برطانیہ کی لیبر حکومت نے ہندوستان میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخابات کا اعلان کیا۔ برطانوی حکومت کے اس اعلان پر قائداعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔ موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں۔ ہم رائے دہندگان کی اس امر کے بارے میں رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ پاکستان چاہتے ہیں۔ یا ہندوراج کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمارے خلاف بعض طاقتیں کام کررہی ہیں اور کانگریس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کردیا جائے۔ جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جارہے ہیں۔ یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں۔ یہ صرف شکل وصورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگریس کے پاس دولت کے وسیع خزانے ہیں۔ ان کے پاس مضبوط تنظیم اور پریس ہے مگر حق ہمارے ساتھ ہے۔ اگر خدائے عزوجل نے ہماری اعانت کی تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے۔" (اخبار انقلاب ۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

ان حالات میں حضرت مصلح موعودؓ نے برملا اعلان فرمایا:۔

"میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہوجائے گی۔ اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی۔ اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا

مشکل ہوجائے گا۔ اور میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ واری اپنے پر لینے کو تیار ہو۔" (الفضل ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

حضورؓ کی طرف سے "مسلم لیگ" اور مسلمانوں کے حق میں ان بے اختیار کوششوں کو دیکھ کر ایک درد مند مسلمان نے لکھا۔

"مسلم قوم کی مرکزیت۔ پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں! پھر کیا جانشین شیخ الہند اور دیو بند کا شیخ الحدیث وہ بھی نہیں۔ پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان، جن کا عقیدہ مشکوک، مشتبہ اور محل نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے ؎

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی ٭ کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

(قائد اعظم اور ان کا عہد از سید رئیس احمد جعفری ص ۴۲۲-۴۲۳)

لیکن کانگریس اور برطانوی حکومت کی ملی بھگت کے نتیجہ میں ۱۹۴۶ء میں وائسرائے نے صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دے دی اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا۔ یہ مسلمانوں کے لئے بے حد نازک مرحلہ تھا۔ اس پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ منشائے الٰہی کے ماتحت ستمبر ۱۹۴۶ء میں قادیان سے دہلی تشریف لے گئے۔ اور وہاں تین ہفتوں کے قیام کے دوران ہندو اور مسلمان لیڈروں سے حضورؓ نے متعدد ملاقاتیں فرمائیں۔ حضورؓ کے ساتھ جو خدام گئے تھے وہ بھی مختلف لیڈروں سے اور برطانوی نمائندوں سے اور غیر ملکی پریس کے نمائندوں سے ملتے رہے۔ ساتھ ہی حضور وائسرائے سے اس مقصد کے لئے خط و کتابت کرتے رہے کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے زعماء کا آپس میں کوئی سمجھوتہ نہ طے پا سکا تو وائسرائے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دونوں کے درمیان تعاون کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آخر حضرت مصلح موعودؓ کی دعاؤں اور کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے نوازا اور وائسرائے نے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت کی رضامندی براہ راست وائسرائے کو پہنچا دی اور مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہوگئی۔

حضورؓ فرماتے ہیں۔

"میرے وہاں (یعنی دہلی۔ناقل) ہونے سے ہی جھگڑے کا تصفیہ ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تصفیہ میں نے کیا۔ گو کوششیں ہم برابر کر رہے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پہلے چار پانچ دفعہ صلح کی کوشش ہو چکی تھی۔ گورنمنٹ نے بھی زور لگایا مگر اس معاملہ کا کوئی تصفیہ نہ ہوا۔ آخر میرے وہاں ہونے اور دعائیں کرنے سے نہ معلوم کونسے دلوں کی کنجیاں کھول دی گئیں کہ میرے وہاں جانے سے وہ کام جو پہلے بار بار کی کوششوں کے باوجود نہیں ہوا تھا ہو گیا" (الفضل ۱۳ر نومبر ۱۹۴۶ء)

مسلم لیگ کی اس کامیابی پر جہاں ہندو پریس نے پریشانی کا اظہار کیا، جیسا کہ ایک اخبار نے لکھا۔

"عارضی حکومت میں لیگ کی شمولیت سے وہ عمارت جو پنڈت جواہر لال اور ان کے رفقاء نے اپنی تقریروں کے ذریعہ قائم کی تھی خود بخود گر پڑے گی کسی بھی مسئلہ پر ہندوستانی پالیسی کا تصور تباہ ہو جائے گا" (اخبار پرتاپ بحوالہ نوائے وقت ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)

وہاں سمجھدار برطانوی جرائد نے اس صورتِ حال کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ڈیلی ٹیلیگراف نے قائد اعظم کو مبارکباد دی اور لکھا۔

"اب کانگرس اور پنڈت نہرو کو بھی یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ہندوستان میں صحیح معنوں میں امن قائم نہیں ہو سکتا"

(بحوالہ نوائے وقت ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)

پنجاب کی یونینسٹ وزارت

جب ہندوستان کی جمہوری حکومت کوئی دستور نہ بنا سکی تو برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے ایک عرصہ بعد خود بخود تمام اختیارات ہندوستانی صوبوں کو منتقل کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے نتیجہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کے وطن "پاکستان" کے معرضِ وجود میں آنے کا راستہ کھل گیا مگر چونکہ پنجاب میں خضر حیات خان ٹوانہ کی سربراہی میں یونینسٹ وزارت تھی۔ اس لئے اس صوبہ کے "پاکستان" میں شامل ہونے کی راہ بالکل مسدود نظر آتی تھی۔ اس نازک مرحلہ پر پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدا داد قوت نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا چنانچہ بظاہر بالکل غیر موافق حالات میں، ڈرامائی طور پر خضر حیات خان ٹوانہ نے ۲ر مارچ ۱۹۴۷ء کو وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستانی اخبار "ملاپ" نے ۲۰ر فروری ۱۹۵۱ء کو لکھا تھا۔

"یہ ایک واضح بات ہے کہ چوہدری ظفراللہ خاں نے خضرحیات کو مجبور کرکے اس سے استعفا دلایا۔ خضرحیات کا استعفیٰ مسلم لیگ کی وزارت بننے کا پیش خیمہ تھا۔ اگر خضرحیات کی وزارت نہ ٹوٹتی تو آج پنجاب کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

اور جب مولانا عبدالرحیم درد صاحب ناظر امورخارجہ صدر انجمن احمدیہ اس واقعہ کے بعد قائداعظم سے ملے تو قائداعظم نے اس ضمن میں جماعت کی مساعی کو بہت سراہا اور فرمایا کہ جماعت نے آڑے وقت میں ہماری مدد کی نیز فرمایا:۔

" I can never forget it "

(بحوالہ تقریر "قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ" از مولانا جلال الدین شمس رض)

حضرت مصلح موعودؓ کا پاکستان کی تائید میں پُرشوکت اعلان

۱۹۴۶ء میں دہلی کے اخبار "ریاست" نے جماعت احمدیہ کی پاکستان نوازپالیسی پراعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ اس وقت تو احمدی پاکستان کی تائید کررہے ہیں لیکن جب پاکستان بن گیا تو پاکستانی مسلمان احمدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جو کابل میں کیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعود رضؓ نے اس فتنہ انگیز بیان کا جواب ایک نہایت پُرشوکت تقریر میں دیا تھا۔ حضور رضؓ کی اس تقریر کے چند اقتباس یہ ہیں:۔

"کہنے والے کی اس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے وہی سلوک ہوگا جو آج سے کچھ عرصہ پیشتر افغانستان میں ہوا تھا اور فرض کرو ایسا ہی ہوجائے، پاکستان بھی بن جائے اور ہمارے ساتھ وہی سلوک روا بھی رکھا جائے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک دیندار جماعت جس کی بنیاد ہی مذہب اخلاق اور انصاف پر ہے۔ کیا وہ اس کے متعلق اس نقطۂ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ میرا اس میں فائدہ ہے یا وہ اس نقطۂ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ اس امر میں دوسرے کا حق کیا ہے یقیناً وہ ایسے معاملہ میں موخرالذکر نقطۂ نگاہ سے ہی فیصلہ کرے گی ..... پس قطع نظر اس کے کہ مسلم لیگ والے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کرینگے وہ ہمارے ساتھ وہی کابل والا سلوک کریں گے یا اس سے بھی بدتر معاملہ کریں گے۔ اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے میں حق پر کون ہے ناحق پر کون۔

آخر یہ بات آج کی تو ہے نہیں یہ ایک لمبا اور پرانا جھگڑا ہے جو بیسیوں سال سے ان کے درمیان چلا آتا ہے ہم نے بارہا ہندوؤں کو توجہ دلائی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں یہ امر ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے بارہا ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کو اس طرح نظر انداز کر دینا بعید از انصاف ہے اور ہم نے بارہا ہندوؤں کو آگاہ کیا کہ یہ حق تلفی اور ناانصافی آخر رنگ لائے گی ... مسلمان ایک وقت تک ان باتوں کو برداشت کرتے رہے مگر جب یہ پانی سر سے گزرنے لگا تو وہ اٹھے اور انہوں نے اپنے لمبے اور تلخ تجربہ کے بعد جب یہ سمجھ لیا کہ ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کے حقوق خطرے میں ہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت اور آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے الگ علاقہ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ کیا وہ یہ مطالبہ نہ کرتے اور ہندوؤں کی ابدی غلامی میں رہنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ کیا وہ اتنی ٹھوکروں کے باوجود بھی نہ جاگتے۔"

فرمایا:

"پس آج یہ سوال نہیں رہا کہ ہمارے ساتھ پاکستان بن جانے کی صورت میں کیا ہوگا۔ سوال تو یہ ہے کہ اتنے لمبے تجربہ کے بعد جبکہ ہندو حاکم تھے، گو ہندو خود تو حاکم نہ تھے بلکہ انگریز حاکم تھے، لیکن ہندو حکومت پر چھائے ہوئے تھے ...... جب وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو صرف اس لئے قابل اور اہل قرار دیتے تھے کہ وہ ہندو ہیں اور جب ہندو انگریز کی نہیں بلکہ اپنی حکومت سمجھتے ہوئے ہندوؤں سے امتیازی سلوک کرتے تھے ...... اس وقت کے ستائے ہوئے دکھائے ہوئے اور تنگ آئے ہوئے مسلمان اگر اپنے الگ حقوق کا مطالبہ کریں تو کیا ان کا یہ مطالبہ ناجائز ہے؟ کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہا جو نہایت ناواجب نہایت ناروا اور نہایت نامنصفانہ تھا ...... جس قوم کے ساتھ اتنا لمبا عرصہ یہ ناانصافی برتا گیا ہو۔ کیا وہ اس امر کا مطالبہ نہ کرے گی کہ اسے الگ حکومت دی جائے۔ ان حالات کے پیش نظر ان کا حق ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں۔ اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔"

"پس ایک نقطۂ نگاہ تو یہ ہے جس سے ہم اس اخبار کے متعلقہ مضمون پر غور کر سکتے ہیں دوسرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ بے شک ہمیں مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض اوقات تکالیف پہنچ جاتی ہیں اور ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لیکن میں

ہندوؤں سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں نے ہمیں کب سکھ دیا تھا۔ تم لوگوں نے ہمیں کب آرام پہنچایا تھا۔ ..... اور تم لوگوں نے کب ہمارے ساتھ ہمدردی کی تھی۔ کیا بہار میں بے گناہ احمدی مارے گئے یا نہیں؟ کیا ان لوگوں کی جائدادیں تم لوگوں نے تباہ کیں یا نہیں؟ کیا ان کو بے جا دُکھ پہنچایا نہیں؟ ...... ان حالات کی موجودگی میں اگر ہمارے لئے دو طرف ہی موت ہے تو ہم ان لوگوں کے حق میں کیوں لڑائے نہ دیں جن کا دعوے حق پر ہے۔"

غرض حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی آزادیٔ وطن اور قیام پاکستان کے حق میں مساعی کسی ذاتی یا جماعتی فائدہ کے لئے نہیں تھیں بلکہ صرف اور صرف اس لئے تھیں کہ آزادی اور علیحدہ وطن کے قیام کو حضور مسلمانوں کا ایک جائز حق سمجھتے تھے۔ اور حق کی تائید میں حضور کو کسی بڑی سے بڑی تکلیف کی پرواہ تھی نہ کسی بڑی سے بڑی قربانی سے گریز۔

ایک عظیم الشان پیشگوئی

آخر میں یہ عاجز حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی پر اس مضمون کو ختم کرتا ہے۔ حضور کی جو توجہ برصغیر کے مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کی طرف رہی اور جو تضرعات اور دعائیں حضور اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلمانوں اور پاکستان کے استحکام اور مضبوطی کے لئے فرماتے رہے ان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض نہایت اہم امور غیبیہ پر اطلاع بخشی۔ چنانچہ حضور نے ۲۸ دسمبر ۱۹۵۶ء کو جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ بمقام ربوہ یہ اعلان فرمایا:-

"میں جماعت کو ایک تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج جب دعائیں ہونگی تو کشمیر کے متعلق بھی دعائیں کریں۔ دوسرے میں ان کو یہ تسلی بھی دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامان زلزلے ہوتے ہیں۔ میں جب پارٹیشن کے بعد آیا تھا۔ تو اس وقت بھی میں نے تقریروں میں اشارہ کیا تھا..... اب نظر آرہا ہے کہ وہی باتیں جو کو میں نے ظاہر کیا تھا وہ پوری ہو رہی ہیں۔ یعنی پاکستان کو جنوب اور مشرق کی طرف سے خطرہ ہے۔ لیکن ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ ہندوستان کو شمال اور مشرق کی طرف سے شدید خطرہ پیدا ہونے والا ہے۔ اور وہ خطرہ ایسا ہوگا کہ باوجود طاقت اور قوت کے ہندوستان اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور وہ کسی کی ہمدردی بھی اس سے جاتی رہے گی۔ سو دعائیں کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری

گورنمنٹ کمزور ہے یا ہم کمزور ہیں۔ خدا کی انگلی اشارے کر رہی ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ روس اور اس کے دوست ہندوستان سے الگ ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرے گا کہ امریکہ یہ محسوس کرے گا کہ اگر ہم نے جلدی قدم نہ اٹھایا تو میرے قدم نہ اٹھانے کی وجہ سے روس اور اس کے دوست بیچ میں گھس آئیں گے۔ پس مایوس نہ ہو اور خدا تعالیٰ پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے اندر ایسے سامان پیدا کر دے گا۔"

(الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء)

پس حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا یہ بھی ایک عظیم الشان احسان ہے کہ حضور نے ایک نازک دور میں پھر اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت برصغیر اور پاکستان کے مسلمانوں کو نہایت حوصلہ افزا آئندہ پیشگوئیوں سے آگاہ فرمادیا۔ آج مصلح موعود رضی اللہ عنہ ہم سے جدا ہو چکے ہیں لیکن اے میرے ہم وطنو! اے خاتم الانبیاء رسول عربی کی محبت کا دعویٰ کرنے والو! سنو اور غور سے سنو۔ ہمارے پاک رسول عربی کے نائب اور عظیم المرتبت فرزند روحانی کی آواز کو سنو! جسے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی نجات اور اصلاح کے لئے بھیجا گیا۔ ہاں اس کی آواز کو سنو اور اس پر عمل کرو اور اس کے خلفاء کی اطاعت کے حلقہ میں آجاؤ کیونکہ اس حلقہ سے باہر سوائے ناکامی اور تباہی کے اور کچھ نہیں۔ مسیح پاک نے فرمایا ہے ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار (درثمین)

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تلخی کی زندگی اختیار کرو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو۔"

(الوصیۃ)

اصلاح وارشاد

اعلیٰ مقصد ــــــ اور ــــــ اہم فریضہ

مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب قائد اصلاح وارشاد مجلس مرکزیہ

اصلاح وارشاد کا فریضہ انبیاء اور اولیاء اور صلحاء کا کام ہے۔ یہ وہ زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے جس کے لئے کائنات کی تخلیق ہوئی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کہ انسانوں کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لائیں۔ اپنے حقیقی معبود کے ساتھ ان کا صحیح تعلق قائم ہو اور یہ اہم کام اصلاح وارشاد کے ذریعہ ہی پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مقصد کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوتے۔ سرور کائنات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ اے رسول جو پیغام الٰہی تجھے سونپا گیا ہے۔ آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اگر اصلاح وارشاد کا یہ کام سرانجام نہ ہوا تو پھر آپ کی بعثت کا مقصد ہی نامکمل رہے گا اور اس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں مشکلات اور مصائب کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ قتل کرنے تک کے منصوبے باندھے جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے۔

پس اصلاح وارشاد کا کام نہایت ہی اہم کام ہے اور ہر احمدی کے لئے اسے بجا لانا ضروری ہے۔ اس کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلس انصار اللہ میں ایک قیادت اصلاح وارشاد قائم ہے جس کا یہ کام ہے کہ وہ احباب کو اور خصوصاً اراکین انصار اللہ کو اس فرض کی طرف توجہ دلاتی رہے۔ اس قیادت کے لائحہ عمل میں مندرجہ ذیل امور رکھے گئے ہیں۔

۱۔ تمام ارکان اصلاح وارشاد کا فریضہ ایسے رنگ میں ادا کریں کہ کم از کم ایک شخص اس سے متاثر

ہو کر حقیقی مسلمان بن جائے اور ہر رکن خاص طور پر اپنے رشتہ داروں کو محبت اور خوش خلقی سے پیغام حق پہنچائے اور اپنے اہل و عیال کو عقائد احمدیہ سے واقف رکھے۔

۲۔ وقف عارضی کی بابرکت سکیم کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کی ذمہ داری مجالس انصار اللہ پر عائد ہوتی ہے اس تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

۳۔ لٹریچر کی تقسیم اور اسے مختلف لائبریریوں میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔

۴۔ اشاعت قرآن کریم کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

۵۔ قیادت اصلاح وارشاد کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ماہ ستمبر میں ہفتہ اصلاح وارشاد منانا۔ یہ کام مرکز کی نگرانی میں ایک پروگرام کے ماتحت ہوگا۔

قیادت ہذا کا کام ان پانچ شقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر مجلس انصار اللہ کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کاموں کو اپنے حلقہ میں سرانجام دے اور اس کی ماہانہ رپورٹ مطبوعہ فارم پر باقاعدگی سے مرکزی دفتر انصار اللہ میں ارسال کرے۔

اس قیادت کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے ماہ ستمبر میں ایک ہفتہ منایا جائے گا اس کی منظوری صدر محترم سے لے لی گئی ہے۔ یہ ہفتہ انشاء اللہ ۲۲ تا ۲۷ ستمبر منایا جائے گا۔ اور ان ایام میں جو مضامین بیان کئے جائیں گے۔ ان کے مختصر نوٹس ایک ماہ قبل تمام مجالس کو بھجوا دیئے جائیں گے۔

مجالس انصار اللہ کی طرف سے جو ماہانہ رپورٹیں موصول ہوتی ہیں وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہتر کارکردگی کی حامل ہوتی ہیں۔ کچھ مجالس ایسی بھی ہیں جو فارم کے اس خانہ کو پُر نہیں کرتیں۔ یہ بات یا تو تساہل کی وجہ سے ہے یا پھر عدم کارکردگی کے باعث۔ ایسی مجالس کو بذریعہ خطوط اس جانب توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ مہربانی فرما کر اس کمی اور تساہل کو دور فرمائیں۔ یہ کام بہت اہم اور ضروری ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ انصار اللہ کے کام کے متعلق فرماتے ہیں:-

"ان سے وہی کام لیا جائے گا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے لیا گیا یعنی کچھ تو اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو تبلیغ کریں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور حدیث پڑھائیں۔ کچھ اس بات پر مقرر کئے جائیں گے۔ کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کریں۔"

(خطبہ جمعہ الفضل یکم اگست ۱۹۴۰ء)

(قائد اصلاح وارشاد)

انصار اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ

انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب موت آجائے گی، خواہ بوڑھا ہو یا جوان یا بچہ۔ لیکن بلحاظ اپنی عمر کے انصار اس ناپائدار دنیا کو چھوڑنے کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں اور اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد وہی اعمال صالحہ کام آئیں گے جو اس دنیا میں کر چکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہذا ہمارے انصار بھائیوں کو چاہیئے کہ وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مندرجہ ذیل ارشاد کو ہمیشہ مدنظر رکھیں اور اپنی آئندہ نسل کے دلوں میں خدمتِ اسلام اور انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ کو فروغ دیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں :-

"آئندہ نسل کے دل میں خدمتِ اسلام اور انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ تیز کریں۔"

انصار بھائیوں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد کے اندر تحریکِ جدید کے مالی جہاد کی اہمیت کو واضح کرتے رہا کریں تاکہ اس نیکی کا ثواب آپ کو اس دنیا اور آخرت میں ملتا رہے۔

(قائد تحریکِ جدید مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ)

نتیجہ امتحان انصار اللہ منعقدہ دسمبر ۷۲ء ۱۹

۹/۱۰ فتح / دسمبر کو انصار اللہ کا امتحان منعقد ہوا جس کا نصاب قرآن کریم پارہ ۱۳/۲۷ ربع چہارم اور رسالہ الوصیت تھا۔ کل ۲۹۸ اراکین شامل ہوئے مکرم ڈاکٹر ایم۔ اے عامر صاحب لائل پور اول اور مکرم مولوی نواب الدین صاحب ہوسنگ سوسائٹی کراچی دوم رہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے آمین

(قائد تعلیم مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حُبُّ الوطنی کا تقاضا

اپنے وطنِ عزیز پاکستان کو مضبوط بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر پاکستانی خدمتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو جائے اور اس اہم کام کو جلد از جلد مکمل کرنا مجلس انصار اللہ کے ہر رکن کا فرض ہے۔

(قیادت اصلاح و ارشاد مرکزیہ)

وہ امور جن پر سچی معرفت کی بناء ہے

انسان مشکلات سے نہ گھبرائے بلکہ خدا کی راہ میں آگے ہی قدم رکھے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ھیں :-

''وہ امور جن پر سچی معرفت کی بناء ھے یہ ھیں کہ انسان خدا کی راہ میں اگر بار بار آزمایا جائے اور مصائب اور مشکلات کے دریا میں ڈالا جائے تب بھی ہرگز نہ گھبرائے اور قدم آگے ھی بڑھائے ۔ اس کے بعد اس کی معرفت کا انکشاف ھوتا ھے اور یہی سچی نعمت حقیقی راحت ھوتی ھے اس وقت دل میں رقت پیدا ھوتی ھے مگر یہ رقت عارضی نہیں ھوتی بلکہ سرور اور لذت سے بھری ھوئی ھوتی ھے ۔ روح پانی کے ایک مصفیٰ چشمہ کی طرح خدا کی طرف بہتی ھے ۔ مدعا یہ ھے کہ سمندر سے پہلے ایک سراب آتا ھے وہ بھی سمندر ھی نظر آتا ھے ۔ جو سراب کو دھوکہ سمجھ کر آگے چلنے سے رہ جاتا ھے اور مایوس ھو کر بیٹھ جاتا ھے وہ ناکام اور نامراد رھتا ھے ۔ لیکن جو ھمت نہیں ھارتا اور قدم آگے بڑھاتا ھے وہ منزل مقصود پر پہنچ جاتا ھے ۔ خدا تعالیٰ نے مختلف کیفیتیں انسانی روح کے اندر رکھی ھوئی ھیں ۔ ان میں سے اس رقت کی بھی ایک کیفیت ھے ۔ کوئی فقط شعرخوانی یا خوش الحانی سے متاثر ھو جاتا ھے ۔ کوئی آگے چلتا ھے اور ان پر قانع نہ ھو کر صبر کے ساتھ اصل مرحلہ تک پہنچتا ھے ۔ یہ یاد رکھو کہ سچائی کے طالب کے واسطے یہ شرط ھے کہ جہاں سے اسے سچائی ملے لے لے ۔ یہ ایک نور ھے جو اس کی رھبری کرتا ھے ''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱)

ٹائٹل نصرت آرٹ پریس گوجرانوالہ میں طبع ھؤا